مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام

علامہ اصغر علی روحی

اختلاف مدارج انبیاء علیہم السلام

صانع ازلی نے دنیا میں بے شمار انواع موجودات پیدا کئے ہیں جن میں ایک حضرت انسان بھی ہے جس کا اشرف المخلوقات ہونا دلائل عقل ونقل سے پایہ یقین تک پہنچ چکا ہے اور جس طرح دیگر انواع موجودات کا بلحاظ کمالات کے مختلف مدارج پر ہونا ایک بین امر ہے اسی طرح افراد انسانی بھی اپنے اپنے فطری اور کسبی اور دیسی کمالات میں مختلف مدارج پر دیکھے جاتے ہیں۔ ہم ہر سہ اقسام کمالات مذکورہ بالا کا کوئی خاص معیار قائم نہیں کر سکتے کیونکہ قدرت کے لامتناہی عجائبات کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی مگر یہ امر نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ کمالات انسانی میں جو سب سے اعلی اور اشرف رتبہ ہوسکتا ہے۔ وہ صرف رتبہ نبوت ہے۔ نبی اللہ جب نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے تو اس کو مرسل بولتے ہیں اس لئے رسالت نبوت کے اعلی سے اعلی کمال کی ایک صورت ہے۔ اگر چہ رسالت میں بھی مقام قرب کے لحاظ سے مختلف مدارج بروئے نص قرآنی ثابت ہیں مگر ہمیں اس وقت نبوت کے صرف عام مفہوم سے بحث کرنا مدنظر ہے۔

نبوت کمال فطری ہے یا کسبی یا وہبی

نیچر یہ اور بعض دیگر اہل بدعت وہوا یہ مانتے ہیں کہ نبوت ایک کمال فطری کا نام ہے یعنی کسی شخص کی فطرت ہی میں پیدائش کے وقت مادہ نبوت ودیعت رکھا جاتا ہے۔ اور جب عقل انسانی درجہ کمال تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے آثار ولوازم کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی مادہ نبوت جوش میں آ کر نبی کو دعوت اور تبلیغ پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق وہ یہ حدیث پیش کیا کرتے ہیں۔ النبی نبی فی بطن امہ۔ یعنی نبی ماں کے پیٹ ہی میں ہوتا ہے۔ مگر یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ اس کے ماننے والا ملحد وزندیق ہے اور شرعا قابل تعزیر ہے۔ اور حدیث مذکورہ بالا سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ نبی کے نطفہ میں صرف نبوت کی قابلیت ودیعت رکھی جاتی ہے جو بتدریج ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ اور بعد میں اللہ تعالی کی طرف سے بطور موہبت الہی علوم کا افاضہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کا اللہ تعالی کے علم میں نبی ہونا پہلے ہی موجود ہوتا ہے جیسے ایک دوسری حدیث میں وارد ہے السعید سعید فی بطن امہ والشقی شقی فی بطن امہ یعنی نیک ماں کے پیٹ

میں ہی نیک ہوتا ہے اور ماں کے پیٹ ہی میں بد ہوتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے علم میں پہلے ہی سے نیک کا نیک اور برے کا برا ہونا مقدر ہوتا ہے۔یہ سچ ہے کہ نبی کی فطرت کی قابلیت دیگر افراد انسانی سے بدرجہ کمال قبول حق کے لئے مستعد ہوتی ہے۔مگر ملک روحانی سے تعلیم کا حاصل کرنا ایک امر زاید ہے جس کو محض انعام خداوندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔دیکھو اس راز کو کس طرح خداوند کریم نے کس لطافت کے ساتھ آیہ نور میں واضح فرمایا ہے۔حیث قال یکاد زیتها یضیء ولو لم تمسسه نار نور علی نور۔اس کی تفسیر محققین ائمہ کتاب وسنت نے یہ کی ہے کہ نبی اللہ کی فطرت اس قدر لطیف اور قبول حق کے لئے مستعد ہوتی ہے کہ بغیر تعلیم وحی کے وہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے آمادہ ہوتی ہے گویا وہ ایک قسم کا روغن ہوتا ہے جس میں لوازم نوریت کے قبول کر لینے کی اس قدر استعداد مضمر ہوتی ہے کہ خود بخود شعلہ زن ہو جائے۔اس لئے انبیاء علیہم السلام کی فطرت بجائے خود اپنے اندر ایک نور صداقت مخفی رکھتی ہے مگر تعلیم وحی کے فیضان سے اس میں ایک غیر معمولی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔جس کا یہ مطلب ہے کہ نور فطرت کے ساتھ ایک دوسرا نور یعنی نور وحی منضم ہو جاتا ہے۔یعنی نبی اپنی فطرت سلیمہ سے تمام لوازم معرفت کا جامع ہوتا ہے۔مگر ملک روحانی سے تعلیم حاصل کر کے ان لوازم کی تکمیل کر لیتا ہے۔اور اس لئے امور حقہ کی تصدیق کرنے میں اس کو کسی قسم کا التباس واشتباہ واقع نہیں ہوتا۔کیونکہ جو کچھ اس کی فطرت کا تقاضا تھا اس کو ملک روحانی سے اخذ کرتا ہے۔اور اس لئے نور علی نور ہے میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے نبوت کو صرف نور فطرت تک محدود رکھا ہے اور نور وحی کو نور فطرت سے علیحدہ نہیں سمجھا۔انہوں نے اپنی نیچریانہ روش میں قرآن کریم کی نص صریح کی تکذیب کی ہے اور ان کا مذہب سراسر باطل اور اس کے ماننے والے بلا ریب دستک ملحد وزندیق ہے۔

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نبوت نہ تو کمال فطری ہے نہ کسبی' بلکہ محض موہبت الہی ہے جو بمقتضائے اللہ اعلم حیث یجعل رسالته خاص خاص بندگان خدا کو عطا ہوتا رہا ہے اور ایک اور بڑی زبردست دلیل اس دعوی کی یہ ہے کہ امور فطریہ کے لئے کسی خاص زمانہ کی تخصیص کرنا خود قانون فطرت کی مخالفت کرنا ہے۔پس نبوت اگر نور فطری[۲] کا نام ہوتا اور نور وحی نور فطرت سے کوئی علیحدہ چیز نہ ہوتی تو کیوں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اس کا دروازہ بند ہو گیا۔چونکہ امور فطریہ اپنی نوعیت کی رو سے کبھی محدود الوقت نہیں ہو سکتے اس لئے کسی خاص زمانہ تک ان کا محدود کرنا خود خلاف فطرت ہے اسی بناء پر اور نصوص آیات واحادیث پر ہم یہ کہتے ہیں کہ نبوت کمال فطری نہیں بلکہ نور نبوت کی قابلیت نبی اللہ میں ودیعت رکھی ہوئی ہوتی ہے جس سے وہ نور وحی

کو قبول کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ نور وحی ایک امر خارج از فطرت انسانی کا نام ہے جس کو کسی خاص انسان کی فطرت پر بذریعہ ملک القا کیا جاتا ہے۔یہی صحیح مذہب ہے جس کو تمام اہل حق نے قبول کیا ہے۔۳

وهذا الحق ليس به خفاء فدعني عن بينات الطريق

انبیاء علیہم السلام اور عامۃ الناس میں مابہ الامتیاز

یہ امر بالخصوص قابل ذکر ہے۔کہ نبی اللہ کو قبل از نبوت دیگر افراد انسانی سے کوئی امتیاز نہیں ہوتا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دیگر افراد کی طرح تمام نیک و بد افعال کا مرتکب ہوتا ہے نہیں۔بلکہ جس طرح بعض دیگر افراد انسانی بالطبع نیک ہوتے ہیں اور شر کی طرف انہیں مطلقا میلان نہیں ہوتا۔اسی طرح نبی اللہ بھی اپنے نور فطرت کیوجہ سے قبل از نبوت ہر ایک قسم کی ظاہری اور باطنی خباثتوں سے محفوظ رہتا ہے۔چنانچہ کسی نبی کی نسبت آج تک یہ نہیں کہا گیا۔کہ وہ قبل از نبوت زانی۔شراب خور۔راہزن۔دغاباز۔کاذب وغیرہ تھا۔بلکہ باوجود اس امر کے کہ وہ بت پرستوں میں مبعوث ہوئے ہیں۔ان میں سے کسی نے بتوں کی پوجا نہیں کی اور نہ مشرکین کی رسم اختیار کی۔یہی وجہ ہے کہ <u>علمائے اسلام نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ نبی اللہ قبل از نبوت تمام کبائر سے **معصوم** ہوتا ہے</u>۔اور صغائر اور سہو میں ان کا اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ قبل از نبوت صغائر کا ارتکاب ناممکن نہیں۔<u>مگر **بعثت** کے بعد وہ تمام صغائر و کبائر سے **معصوم** ہوتے ہیں</u> البتہ سہو جو منجملہ لوازم بشریت ہے اور جس پر فی الفور بذریعہ وحی انہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔بعض جزئیات امور میں ان سے صادر ہونا ممکن ہے۔مگر انبیاء علیہم السلام کے لئے سہو کا تسلیم کرنا ہرگز ان کی عصمت کا مانع نہیں ہوسکتا۔کیونکہ عصمت ایک قوت ہے جو نفس کو خلاف رضائے الہی حرکت نہیں کرنے دیتی۔یعنی ارادہ اور ارتکاب تو بجائے خود نفس میں گناہ کے لئے حرکت اور کسی قسم کا میلان بھی نہیں ہوتا۔اور یہ امر بالکل صحیح اور قرین قیاس ہے۔کیونکہ جس طرح بعض دیگر طاقتیں بعض لوگوں میں اس قدر قوی ہوتی ہیں۔کہ دوسرے لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔اسی طرح نفس انسانی کا فطرتا خیر وسعادت پر پیدا ہونا بالکل امر واقع ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیہ نور۔یکاد زیتہا.....الخ میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جس طرح صہیب شامی رضی اللہ عنہ کی نسبت حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔**نعم العبد صهيب لولم يخف الله لم يعصه** یعنی صہیب بہت اچھے آدمی ہیں۔اگر بالغرض انہیں شریعت کی پابندی میں وعید آخرت کا خوف نہ بھی ہوتا تب بھی وہ خدا کی سرکشی نہ کرتے۔پس جب بعض غیر انبیاء کے لئے طبعا خیر وسعادت پر پیدا ہونا ممکن

ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے درجہ اولی یہ امر تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور جب تعلیم وحی انہیں دیگر افراد نوع سے ممتاز کردیتی ہے تو ان کی فطری طہارت شریعت الہیہ کی پابندی سے درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ تعلیم ان کی فطری طہارت سے ایک علیحدہ حقیقت ہے اور یہی ان کے لئے مابہ الامتیاز ہے۔ اس مقام میں بجز انکسار و خضوع وخشوع کے جو مقام عبودیت کے لوازم ہیں ان کا اور کوئی شعار نہیں ہوتا۔ درحقیقت عبودیت کا اصلی مقام بجز نبی اللہ کے کسی غیر کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہاں بعض کا اکابر امت کو بہ تبعیت انبیاء علیہم السلام مقام عبودیت تک گذر ہوتا ہے مگر ان کا رتبہ بہر حال انبیاء علیہم السلام کے رتبہ سے نیچے رہتا ہے۔ اس مقام کی حقیقت کو خوب سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ عام لوگوں کو حقیقت عبودیت کی کچھ خبر نہیں ہوتی حالانکہ یہ وہ مقام ہے جس پر بجز جماعت انبیاء علیہم السلام کے کسی غیر کو قیام کا موقع نہیں مل سکتا۔ اور پھر جمیع انبیاء علیہم السلام سے جو مقام عبودیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے وہ کسی کو بھی نہیں ملا۔ اب آؤ ہم تمہیں قرآن مجید سے اس دعوی کا قطعی ثبوت دیں۔ سنو! قرآن مجید کی آیات میں غور کر کے دیکھو کہ حضور علیہ السلام کو وصف عبودیت کے ساتھ کس کس موقع پر یاد کیا گیا ہے **قال اللہ تعالی (ا) وان کنتم فی ریب من مانزلنا علی عبدنا** اس آیت میں حضور کی وصف عبودیت کا مقام تحدی پر ذکر کیا گیا ہے۔ تحدی سے منکر پر بطریق غلبہ وقہر اتمام حجت مقصود ہوتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اللہ کی تمام روحانی طاقتیں جن پر حقیقی توحید کے انوار غالب ہوتے ہیں۔ منکرین کو اس طرح مغلوب کر لیتی ہیں کہ نبی اللہ کا غالب آنا اور منکرین کا مغلوب ہونا اس کی صداقت کا ایک زبردست نشان ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ **کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔**

(ب) سبحان الذی اسری بعبدہ الایۃ ۔ اس آیت میں حضور ﷺ کی وصف عبودیت کو مقام قرب کے اظہار کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ لفظ عبد کی جگہ کئی اور ایسے الفاظ کا ذکر بھی ہوسکتا تھا۔ جن سے حضور کی ذات کا اشارہ پایا جاتا۔ مگر یہ اشارہ کسی لفظ سے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کہ حقیقت عبودیت ہی اس قرب کے لئے علت ہے یہی وجہ ہے کہ سورۂ والنجم میں بھی اظہار قرب کے موقع پر لفظ عبد ہی کا ذکر فرمایا۔ حیث **قال فاوحی الی عبدہ مااوحی** بلکہ اس آیت میں مہبط وحی ہونے کی علت بھی عبودیت قرار دی۔ **کمالایخفی۔**

(ج) انہ لماقام عبداللہ یدعوہ.........**الایۃ** اس آیت میں حضور کی وصف عبودیت کو مقام تبلیغ رسالت پر ذکر کیا گیا ہے جس سے صاف اشارہ پایا جاتا ہے کہ کمال عبودیت منصب رسالت کے لئے بمنزل اساس کے لازم تھا۔

☆ ورنا امیدی بسی امیداست .... پایان شب سیہ سپیداست ☆

(د)انزل علی عبدہ الکتاب اور نیز نزل الفرقان علی عبدہ ۔میں حضور کی وصف عبودیت کو تجلی کلام کے موقع پر ذکر فرمایا۔جس سے اس تجلی کی علت کا نہایت لطیف پیرایہ میں اشارہ کیا گیا ہے ۔اور وہ کمال عبودیت ہے۔

آیات مسطورہ بالا میں ایک حقیقت میں طالب حق اس نکتہ سے آگاہ ہوسکتا ہے ۔کہ مقام عبودیت تمام مقامات سے اعلیٰ ہےاور بجز انبیاء علیہم السلام کے بروجہ اکمل دوسروں کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے جس میں تمام آثار بشریت بالکل محو ہوکر نبی اللہ کی روح انوار توحید میں رنگی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مقام بشریت کے اظہار پر لفظ عبد کا استعمال نہیں ہوا بلکہ لفظ بشر کا استعمال ہوا ہے۔حیث قال قل انما انا بشر مثلکم کیونکہ یہ ہرگز زیبانہیں تھا۔کہ کہاجاتا انا عبد مثل کم اور اگر عبودیت اور بشریت میں کچھ تفاوت نہ ہوتا۔تو کچھ شک نہیں کہ جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اورابوجہل ایک ہی پایہ کے آدمی ہوتے۔

مذکورہ بالاتقریر سے ناظرین معلوم کر گئے ہوں گے کہ وصف عبودیت تمام کمالات روحانیہ کے مفہوم پر مشتمل ہے اور نبی اللہ بروجہ اکمل اس وصف سے موصوف ہوتا ہے اس لئے بطور لزوم ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔کہ کسی نبی اللہ کا مقام عبودیت میں استقلال حاصل کرلینااس کی عصمت کی ایک یقینی شہادت اور قطعی دلیل ہے ۔اور جن لوگوں نے گاہ وبیگاہ انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کے متعلق نکتہ چینیاں کیں ہیں ۔انہوں نے نبی اللہ کی حقیقت کو مطلقا نہیں سمجھا بلکہ وہ تمام افراد انسان کو خبیث اور ملعون نفسوں پر قیاس کرتے رہے۔جو وساوس اور شکوک کی دلدل میں پھنسے ہیں اور مختلف قسم کی ہواپرستی اور شہوت طلبی کے تختہ مشق بنے رہے ہیں۔اور جنہیں حصول لذائیذ کے سوا روحانیات کی کچھ خبر نہیں ہوتی اور شیطان شب وروز ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اپنے وسیع دام پھیلائے مستعد کھڑا رہتا ہے ۔انبیاء علیہم السلام جہت بشریت کی رو سے کھاتے پیتے سوتے اور خانہ داری کرتے ہیں مگر حسب اقتضائے شریعت ۔لیکن جہت عبودیت سے افراد انسانی سے انہیں ایک نمایاں امتیاز ہوتا ہےاور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جس شخص کی جہت بشریت کی اصلاح بروجہ شریعت نہ ہوئی ہو۔وہ مدارج عبودیت پر ترقی کرسکے چہ جائیکہ وہ مہبط وحی اور مقرب بارگاہ رب العزت اور حجت اللہ علی الخلق کے عالیشان منصب کا مستحق سمجھا جائے۔ابوجہل بھی وہی کچھ کھاتا پیتا تھا۔جو حضور علیہ السلام مگر۔

این خورد گردد پلیدی زو جدا ۔ واں خورد گردد ہمہ نور خدا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن شریف کی بعض ان آیات کریمہ کی حسب ضرورت تفسیر کی جائے

جن کی بناء پر بعض معترضین انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراض عائد کیا کرتے ہیں مگر تفسیر آیات سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس جو علوم عربیہ سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور صرف ادھر ادھر کے اردو ترجموں کو دیکھ کر قرآن دانی کا دعوی کرنے لگ جاتے ہیں۔عموماً بعض الفاظ کے مفہوم اصلی اور استعمال صحیح کے سمجھنے میں غلطی کر جایا کرتے ہیں۔ عالم کائنات میں کئی ایک اس قسم کی اشیاء ملیں گی جو بظاہر ایک ہی لفظ سے تعبیر کی جاتی ہیں مگر ان کی حقیقت ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے۔مثلاً لفظ فرح کے معنی مشہور ہیں جن کو سب عربی خوان جانتے ہیں مگر آیہ فرحوا بما عندهم من العلم میں فرح کی مذمت کی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر دو مقام میں متعلق فرح ایک چیز نہیں۔پہلی آیت میں نعمت ایمان پر اظہار فرح مقصود ہے اور دوسری میں نعمت دنیا پر غرور کرنا مراد ہے۔مگر لفظ ایک ہی ہے جو اختلاف مقام کے لحاظ سے بالکل متضاد معنے میں استعمال کیا گیا ہے۔علی ہذا القیاس لفظ ذنب کے معنی ہر ایک ایسے فعل کے ہیں جس کا انجام اچھا نہ ہو۔یعنی اس کا نتیجہ کوئی وبال ہو۔امام راغب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں۔ویستعمل فی کل فعل یستوخم عقباه اعتبارا بذنب الشئی (لفظ ذنب ہر ایک ایسے فعل پر اطلاق کیا جاتا ہے جس کا انجام کوئی عمل ناگوار ہو اور یہ لفظ ماخوذ ہے ذنب سے جس کے معنے دم کے ہیں جو کسی حیوان کا پچھلا حصہ ہوتا ہے) عوام الناس بالعموم قران مجید کی بعض آیات میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق لفظ ذنب کو دیکھ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ان آیات میں لفظ ذنب سے مراد وہی ذنب ہے جو کفار و فساق کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔اور یہ ایک بڑی بھاری غلطی ہے جس میں خوب غور کرنا چاہئے۔کیونکہ اس غلطی سے عام ناواقفوں کو انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کے متعلق کئی قسم کے شکوک پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی (معاذ اللہ) ان کی طرح بعض مواقع پر مغلوب النفس ہو جایا کرتے تھے اس غلط فہمی نے کئی ایک لوگوں کے ایمان کو باطل کر کے انہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ روحانی نسبت قائم کرنے سے محروم رکھا۔اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ جو امر زید کی نسبت جرم کبیرہ ہو سکتا ہے وہی امر عمرو کی نسبت موجب تحسین و آفرین سمجھا جاتا ہے۔حسنات الابرار سیات المقربین۔ایک مشہور جملہ ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ نیک بندوں کی نیکیاں مقربین بارگاہ کے حق میں گناہ شمار کی جاتی ہیں۔ایک عامی دیندار کو ترک نماز فریضہ پر عذاب ہوگا۔مگر ایک بساط قرب پر عزت پانے والے کو ایک آن بھر کی غفلت ذکر پر اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ عتاب ہے بلکہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک ترقی نہ کرنے پر وہ جھٹ موردِ عتاب ہو جاتے ہیں اور مقام عبودیت میں شائبہ بشریت ان کے ہاں عصیاں سمجھا

☆ اولئک کالانعام بل هم اضل گاوان وخران بار بردار ..... بہ ز آدمیان مردم آزار☆

گیا ہے۔اور یہی ان کے حق میں ذنب عظیم قرار پا کر انہیں مستوجب عقوبت بنا دیتا ہے ان کی عقوبت بھی اسی قسم کی عقوبت ہے جوان کے شان شایاں ہے یعنی کہ وہ بساط قرب پر کچھ دیر کے لئے لذت جمال محبوب سے محجوب ہوجاتے ہیں۔اور پھر ثانی الحال میں انابت کرنے سے اس کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور یہ ناز محبوبیت کا مقام ہے جس کی حقیقت کے سمجھنے سے فلسفی اور کٹ حجتی کرنے والے کوسوں دور پھینکے گئے ہیں۔ بلکہ وہ ان غائر اور دقیق حقائق کو نہ سمجھ کر ان کا انکار کر دیا کرتے ہیں۔مگر میرے اس کلام میں اصلیت ہے جس کو سمجھنے والے سمجھتے ہیں۔ان مقربین بارگاہ کے لئے تو برائے نام بشریت گناہ عظیم ہوا کرتی ہے۔کما قیل۔

آں کہ عین لطف باشد بر عوام ۔ قہر شد بر عشق کیشان کرام

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں

استغفار الانبیاء لایکون عن ذنب حقیقتا کذنوبنا وانما ھوعن امر یدق عن عقولنا وانہ لاذوق لنافی مقامھم فلا یجوز حمل ذنوبھم علی مانتعقلہ نحن من الذنب۔

یعنی انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہونا۔فی الحقیقت کسی ایسے گناہ کی بابت نہیں جس کا دیگر عوام ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسے دقیق امور روحانیہ کی بابت استغفار کیا کرتے ہیں جن کا سمجھنا ہماری عقول سے بالاتر ہے کیونکہ وہ امور محض ذوق ووجدان سے تعلق رکھتے ہیں۔جن سے ہم لوگ قاصر ہیں۔سوان کے ذنوب کو ہمیں اپنے ذنوب پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

عاصیاں از گناہ توبہ کنند ۔ عارفاں از عبادت استغفار

لفظ ذنب کی اس مختصر مگر کافی تشریح کے سمجھ لینے پر غالبا اب واقفان رموز قرآنی پر یہ راز منکشف ہوجائیگا کہ جناب پیغمبر علیہ السلام کی بابت جن آیات میں ذنب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ان میں وہی مذکورہ بالا حقیقت ذنب ملحوظ رکھنی چاہئے۔نہ معاذ اللہ بعض ملحدین یا مخالفین اسلام کے خیال کے مطابق ذنب سے ایسا امر مراد ہے جس کا ارتکاب عوام الناس کیا کرتے ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ ہر ایک قسم کی آلائش سے پاک وصاف ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اہل عالم کے لئے رحمت اور حجت اللہ بننے کا درجہ پاتے ہیں۔آیـــہ ومارسلنک الا رحمۃ للعالمین صاف کہہ رہی ہے۔کہ ایک گناہ کرنے والا آدمی کیسے واسطہ رحمت ہوسکتا ہے۔بلکہ وہ تو خود ہی رحمت سے محروم ہوتا ہے۔ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔..... اس قسم کے خیالات محض ان لوگوں کے تراشے ہوئے ہوتے ہیں جونبوت کا انکار کرکے شریعت کی پابندی سے اپنے تئیں

☆ بالملح یصلح مایخشی تغیرہ فکیف بالملح ان حلت بہ الغیر

آزاد کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس روش سے انہیں مختلف قسم کی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا موقع مل جائے۔

سورہ فتح کی آیہ **لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر** کے متعلق مفسرین نے کئی ایک جواب دیئے ہیں۔اور منجملہ ان کے ایک جواب وہ بھی ہے جس کو اکثر مفسرین نے قلمبند کیا ہے کہ استغفار سے استغفار امت مراد ہے کیونکہ صاحب شریعت ہونے کی وجہ سے جس طرح امت مرحومہ کے اعمال صالحہ آپ کے ذات والا کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔اسی طرح ان کے معاصی بھی آپ ہی کی ذات والا کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔گو یہ جواب غلط نہیں مگر سورہ محمد کی آیہ **واستغفر لذنبک وللمؤمنین......الخ** سے مناسبت نہیں رکھتا ہے کیونکہ اس میں امت کے لئے علیحدہ طور پر استغفار کا حکم آپ کو دیا گیا ہے۔صحیح اور قطعی جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ کیونکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حقیقت استغفار مقام عبودیت کی تکمیل کے لئے ایک قوی سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں **انی لاستغفر اللہ فی الیوم واللیلۃ مائۃ مرۃ** یعنی میں رات اور دن میں بے شمار استغفار کرتا رہتا ہوں۔حضور علیہ السلام کو اس فعل سے اول تو امت مرحومہ کو تلقین استغفار مدنظر تھی۔تاکہ یہ لوگ بھی بکثرت استغفار کیا کریں۔

دوم محض مقام عبودیت کی تکمیل کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا۔جو ایک گونہ منافی ذکر ہے اس لئے کچھ نہ کچھ حجاب اور خفیف سی کدورت قلبی کی نسبت آپ نے فرمایا۔**انہ لیغان علی قلبی** یعنی میرے قلب پر ایک خفیف سی تاریکی آجاتی ہے اور یہ وہی تاریکی تھی جس کو **ارحنا بالصلوۃ یابلال** سے دور کیا جاتا ہے۔

ناظرین اس موقع کو نہایت غور سے سمجھیں کیونکہ یہ واقعی بڑی ابتلا کا مقام ہے۔ایسا نہ ہو کہ ملحدین کی ادھر ادھر کی فضول باتوں پر اپنا ایمان ضائع کر بیٹھیں سچ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا اندازہ عوام الناس ہرگز نہیں لگا سکتے اور معترضین کی باتوں پر قسم قسم کے وساوس وشکوک کو دل میں جگہ دے لیتے ہیں جو ایمان کو جڑ سے کاٹ ڈالتے ہیں۔انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے متعلق جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں ان سب کے جواب میں اس قاعدہ کلیہ کو مدنظر رکھنا چاہئے۔کہ **انبیاء علیہم السلام سے عمداً نہ سہواً نہ تو صغیرہ اور نہ کبیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے** البتہ سہو اور نسیان سے وہ ہرگز خالی نہیں ہو سکتے۔سو ان کے حق میں بخلاف دیگر لوگوں کے سہو اور نسیان بھی قابل مواخذہ ہیں۔اور اسی قابل مواخذہ ہونے کی وجہ سے ان کی ایسی لغزشوں کو عصیان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔مگر بااینہمہ جب کسی نبی اللہ سے کوئی سہو ونسیان ہوتا رہا تو فی الفور اس کو اس پر آگاہ کر دیا گیا۔مثلاً جناب پیغمبر علیہ السلام کا بعض مواقع پر نماز میں سہو کر جانا یعنی چار رکعت کی بجائے پانچ

کا ادا کر جانا چنانچہ صرف پانچ دفعہ حضور علیہ السلام سے نماز میں سہو ہوا جیسا کہ کتب احادیث میں مروی ہے اور غور کرو تو اس میں ایک حکمت مضمر تھی یعنی ایک قاعدہ شرعی سجدہ سہو کا قائم کرنا مقصود تھا۔ اس لئے بارادہ الٰہی آپ سے سہو ہوا کئے تا کہ امت مرحومہ کے لئے ایک گونہ توسیع ہو جائے اور یہ بعینہ وہی حکمت ہے جو حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہما کے نکاح میں مدنظر تھی یعنی کہ امت کے لئے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لینا مشروع قرار پایا۔ جس کو عیسائی اپنے خبث باطن سے نہایت پرزور الفاظ میں بصورت اعتراض یوں پیش کیا کرتے ہیں کہ آیہ او تخفی فی نفسک ماالله مبدیه کا یہ مطلب ہے کہ معاذ اللہ جناب پیغمبر علیہ السلام زینب رضی اللہ عنہا پر فریفتہ ہو گئے تھے اور اس لئے اس کو اپنے نکاح میں لانے کے لئے بہت کوشش کرتے تھے ۔ مگر ان نااہل ظالموں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ زینب حضرت کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور شروع سے آپ انہیں اور وہ آپ کو خوب جانتے تھے اور خود حضور نے اپنی مرضی سے آپ کو زید کے نکاح میں دیدیا اور ایک مدت اس کے گھر میں رہ کر جوانی کا زمانہ گذار چکی تھی آخر کار جب ناموافقت ہوگئی تو حضرت کو مجبوراً دربارہ طلاق زینب رضی اللہ عنہما زید کا ہم خیال ہونا پڑا کیونکہ اتفاق کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ مگر طلاق ہو جانے کی صورت میں حضور کو یہ خیال بھی سوجھتا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا کی حالت آئندہ نگرانی کے لئے بظاہر اور کوئی ایسی سبیل نظر نہیں آتی جس سے ان کا جبر خاطر ہو سکے حضور نے بمقتضائے اپنی پاک فطرتی کے محض بہ نظر رحم۵ پروری انہیں اپنے نکاح میں لینا پسند فرمایا مگر منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لینے کو رسم جاہلیت کے برخلاف سمجھ کر دل میں پیچ وتاب کھاتے کہ ایک طرف وحی آسمانی دربارہ نکاح نازل ہو چکی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے طعن کا خوف ہے چنانچہ کچھ مدت اسی حالت میں گذر گئی جس پر مذکورہ بالا آیت بصورت عتاب نازل ہوئی کہ جس کو خداوند تعالیٰ بطور قانون شرعی قائم کرنا چاہتا ہے تم اس سے کیوں جھجکتے ہو۔ لوگوں کی طعن وتشنیع کی پرواہ کچھ نہ کرو چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضور نے زینب کو اپنے نکاح میں لے لیا۶ یہ ہے مختصر تفسیر اس آیت کی جس کو عیسائی مشنریوں نے اپنے خبث باطن سے ایک نہایت شرمناک صورت میں پیش کیا ہے اور جو الفاظ قرآن مجید سے ہرگز مستنبط نہیں ہو سکتے۔ اس واقع میں اگر حضور کے متعلق کسی امر کا خیال ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسی قدر ہے کہ جب وحی آسمانی دربارہ نکاح ہو چکی تھی تو پھر کیوں آپ نے تردد وتوقف کیا سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور کا اپنا اجتہاد تھا جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے برخلاف تھا۔ چنانچہ اسی وجہ پر عتاب بھی نازل ہوا۔ چنانچہ کوئی عقلمند آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ امر بہ نیت بے مخالفت حکم الٰہی کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس قسم کی اجتہادی غلطی کا انبیاء علیہم السلام سے سرزد

ہونا ممکن ہے۔مگروہ فی الفور اس غلطی پر آگاہ کیئے جاتے ہیں۔اس کی کئی ایک مثالیں خودقرآن مجید میں مذکور ہیں چنانچہ سورۂ عبس وتولی کی شان نزول اسی قسم کی اجتہادی غلطی پر مبنی ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ عرب کے چند ایک قبائل کے بڑے بڑے لوگ بغرض تحقیق دین حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں ابن ام مکتوم جو نابینا تھے حاضر ہوئے۔اور بیٹھ گئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے۔حضور نے یہ اجتہاد کر کے کہ یہ تو یہیں ہر وقت پاس موجود ہیں پھر پوچھ لینگے اور یہ لوگ جو دور سے آئے ہیں انہیں اسلام کی طرف اگر میلان ہوجائے تو بڑی بات ہے ابن ام مکتوم کی بات کی طرف توجہ نہ کی چونکہ حضور علیہ السلام کا یہ خیال مرضی خداتعالی کے برخلاف تھا جھٹ بصورت عتاب سورہ مذکورہ بالا کی آیات نازل ہوئیں۔کہ تمہارا ایسا کرنا صحیح نہ تھا۔اسی طرح غزوہ بدر میں بعض مشرکین کے قتل کرنے یا فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔سوا حضرت عمر کے سب نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے پیش کی جس پر حضور علیہ السلام راضی ہو گئے مگر یہ فعل مرضی خدائے تعالی کے برخلاف تھا۔جھٹ بالفاظ **لو لا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم**۸۔عتاب نازل ہوا۔اسی طرح حضورﷺ نے یہود کے ان سوالات کے جواب میں جو در بارہ دریافت حقیقت روح اور قصہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین انھوں نے کیے تھے۔یہ فرمادیا تھا کہ میں تمہیں کل بتاؤں گا بدیں الفاظ عتاب نازل ہوا۹ **و لاتقولن لشئی انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ**۔یا غزوہ تبوک میں بعض لوگوں کے کچھ عذر پیش کرنے پر غزوہ میں نہ شامل ہونے کی آپ نے اجازت فرمادی جس پر آیہ **عفا الله عنک اذنت لھم** نازل ہوئی۔علی ہذا القیاس۔مگر ایسے امور کی نسبت بالکلیت یہی صحیح جواب ہے کہ یہ امور قسم اجتہادی غلطی یا سہو ونسیان کے شمار کئے جاتے ہیں۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

پس کسی نابکار آدمی کے اعتراض کو بلا سوچے سمجھے قابل وقعت خیال کر کے انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایک گمان قائم کر لینا خبث باطن کی دلیل ہے۔ہم اللہ تعالی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صحیح معتقدات پر قائم رکھے جن پر خاتمہ بالخیر کا مدار ہے اور دعا کرتے ہیں کہ انہیں اعتقادات صحیحہ پر کل کو خدا کے حضور میں پیش ہوکر سرخرو ہوں کیونکہ حدیث صحیح میں یوں آچکا ہے **یحشر الناس علی ماماتوا**۔یعنی لوگ قیامت کو اسی حالت پر اٹھائے جائینگے جس پر وہ دنیا سے رخصت ہوئے اور قرآن مجید میں بدیں الفاظ اشارہ وارد ہے۔**یوم ندعوا کل اناس بامامھم** یعنی قیامت کے دن ہم لوگوں کو ان کے پیش رو اماموں کے ساتھ میدان حساب

از پدرش چه خیری دیدی ☆ که از پسرش ببینی؟

میں اکٹھا کرینگے ۔ سو جو جس شخص کے معتقدات کا تابع ہوگا اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوائے حمد کے سایہ تلے آرام کئے ہوں گے۔ اور بد بخت ہیں وہ لوگ جو قرآن وسنت کے مخالف معتقدات والے ائمۃ الکفر کے ساتھ اس کس مپرسی کی حالت میں ذلیل ہوتے پھریں گے فالحمد اللہ علی ذلک۔

مذکورہ بالا بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ **انبیاء علیہم السلام ہر ایک صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں**۔ البتہ نسیان کا جو مقتضائے بشریت ہے یا کسی قسم کی ایسی اجتہادی غلطی جو مرضی الٰہی کے برخلاف ہو سرزد ہونا ان سے ممکن ہے مگر ایسا واقعہ ہونے کی صورت میں بھی معاً انہیں بذریعہ وحی آگاہ کر دیا جاتا ہے ۔ جس سے وہ فی الفور رجوع کر لیتے ہیں۔ سو یہ صورت عصمت انبیاء علیہم السلام کے لئے کسی طرح بھی موجب نقص نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ سہو ونسیان مفہوم گناہ میں داخل نہیں مگر باینہمہ انبیاء علیہم السلام کو بالخصوص اور ائمہ اہل ایمان کو بالعموم استغفار کثیر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ کیونکہ استغفار فی حد ذاتہ موجب کمال عبودیت ہے اور غور کرو تو استغفار ہی درحقیقت بندہ اور خدا تعالی کے درمیان ربط خالقیت ومخلوقیت کا پتہ دیتا ہے اور جب استغفار نہ ہو تو یوں سمجھو کہ انسان عملاً اپنے تئیں خالق بے نیاز کے سامنے نیاز مند مخلوق ثابت نہیں کرتا۔ کیونکہ جس طرح ہماری ظاہری اور باطنی فطرت ہمارے مضطر الی اللہ ہونے پر دال ہے ۔ اسی طرح ہمارا شرعی فرض ہمیں ارادی صورت میں خالق بے نیاز کی عبادت پر مجبور کرتا ہے جس کا نتیجہ کمال عبودیت ہو سکتا ہے ۔ پس قرآن مجید کی آیات میں جہاں انبیاء علیہم السلام کی نسبت استغفار یا رجوع یا توبہ یا انابت وغیرہ الفاظ کا ذکر آیا ہے وہاں ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ معاذ اللہ وہ دیگر لوگوں کی طرح گناہ گار تھے کیونکہ یہ نہایت موٹی نظر کے لوگوں کا خیال ہے جنہیں عبودیت اور نبوت[2] کے اعلیٰ مقامات کی حقیقت اور ان کے لوازم کی کچھ خبر نہیں ۔ اس مقام پر مناسب نظر آتا ہے کہ بعض ان آیات کے متعلق ان اعتراضات کو رفع کیا جائے ۔ جو گاہ وبیگاہ عیسائی مشنری لوگ مختلف انبیاء علیہم السلام کی نسبت عائد کیا کرتے ہیں اور ناواقفوں کو دھوکا دے کر خدا کی لعنت کے مستوجب قرار پاتے ہیں۔............ (جاری ہے)

حواشی

[1] سید صاحب (سرسید احمد خان) نبوت کو نور فطرت سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ وحی ایک قسم کا فطری ملکہ ہے جیسے بڑھی یا لوہار یا شاعر کو اپنے فن میں حاصل ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ یہ وہ حق ہے جس میں کسی قسم کا خفا نہیں سو تو مجھے ادھر ادھر کی پگڈنڈیوں سے معاف رکھ۔ ۱۲ منہ

۳۔جب تعلق بماسوی کی وجہ سے حضور والا کا قلب صافی بیقرار ہوتا تو بلال رضی اللہ عنہ کو پکارتے کہ اٹھو اذان کہو تا کہ جمال محبوب حقیقی کے دیکھنے سے سرور حاصل ہو اور یہ قلق واضطراب دور ہو جائے ۱۲ منہ

۴۔اور تو اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ رکھتا تھا جس کو اللہ تعالی ظاہر کرنا چاہتا تھا۔حضرت زینب پہلے زید کے گھر میں تھیں۔مگر ہر دو میں ناسازگی ہوگئی۔حضور علیہ السلام نے بہت کوشش کی کہ ہر دو میں موافقت ہو جائے مگر بات نہ بن پڑی جناب پیغمبر علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ علم تھا کہ زینب مطلقہ ہو کر آپ کے نکاح میں آئینگی۔مگر چونکہ زید کو عرب کے دستور کے مطابق آپ بیٹا کہا کرتے اسلئے آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ گو آسمانی وحی در بارہ نکاح ہو چکی ہے۔مگر عام لوگ طعن کرینگے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔۱۲ منہ

۵۔حضور کا رحمۃ اللعالمین ہونا مسلم ہے چنانچہ یتامی اور بیوہ عورتوں کے لئے حضور کا وجود ابر رحمت تھا۔دیکھو کہ باوجود متعدد نکاحوں کے سوائے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سب کے سب منکوحات بیوہ تھیں جس سے ایک صداقت شعار آدمی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ امت مرحومہ کو بیوگان کی حالت پر رحم کی تعلیم دینا مقصود تھا۔ہم عیسائی مشنریوں سے پوچھتے ہیں کہ اے ظالموں تم خدا کا خوف کر کے جواب دو کہ جس شخص کو شہوت پرستی مدنظر ہو کیا وہ بوڑھی اور بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا پسند کریگا۔۱۲ منہ

۶۔ہم نے یہ تفسیر حضرت امام زین العابدین بن حسین بن علی علیہ السلام کی تقریر سے اخذ کی ہے ۱۲ منہ

۷۔امام ابن حزم ظاہری نے اس کا جواب نہایت ہی عمدہ صورت میں بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضور کے توقف کی یہ وجہ تھی کہ مخالفین اسلام کے ساتھ بعض ضعیف الایمان مسلمان بھی ڈگمگا جائینگے کیونکہ عام خیال کا اثر کمزور طبائع پر ضرور پڑ جایا کرتا ہے اور اس لئے ایک نبی اللہ کے حق میں سوئے ظن کر کے وہ ایمان سے جواب لے بیٹھے۔۱۲ منہ

۸۔اگر اللہ تعالی کی مشیت ازلی ایسی نہ ہوتی تو فدیہ لے لینے کے بارے میں تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا اس آیت میں خطاب مسلمانوں کو کیا گیا ہے نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔۱۲ منہ

۹۔کسی امر کی بابت یوں مت کہا کرو کہ میں کل کو کرونگا۔بلکہ انشاء اللہ تعالی کا لفظ ساتھ بولا کرو۔کیونکہ انسان کل کی نسبت ہرگز وثوق نہیں رکھتا کہ وہ اسے کر سکے گا یا نہیں ممکن ہے کہ ارادہ الہی قول کے برخلاف ہو۔۱۲ منہ
خدا تجھے معاف فرمادے تم نے انہیں کیوں نہ شامل ہونے کی اجازت دی (کیونکہ ان لوگوں کا عذر صحیح نہیں تھا)۔۱۲ منہ

......☆......☆......☆......☆......☆......

جرح اللسان اشد من جرح السنان ... زخم زبان بدتر از زخم شمشیر است